

نظام زرو بینکاری کی اصلاح: مکمل ریزرو اور بلا سود ماڈل کے ذریعے ریاستی قرض، مالی خسارے اور افراط زر کا تجزیہ

ملخص (Executive Summary)

یہ مقالہ موجودہ جزوی ریزرو بینکاری (Fractional Reserve Banking) اور سودی نظام کے ساختی نقائص کا تقابلی جائزہ پیش کرتا ہے۔ تحقیق کا بنیادی مقصد یہ جانچنا ہے کہ کیا "مکمل ریزرو بینکاری" (Full Reserve Banking) اور "نفع و نقصان میں شراکت" پر مبنی بلا سود نظام، معاشی استحکام فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔

تحقیق کے اہم نکات:

* زر کی تخلیق اور افراط زر: موجودہ نظام میں تجارتی بینک قرضوں کے ذریعے نئی زری مقدار (Money Creation) تخلیق کرتے ہیں، جو اکثر حقیقی پیداوار سے تجاوز کر جاتی ہے اور افراط زر کا باعث بنتی ہے۔ مکمل ریزرو نظام میں زر کی تخلیق کا اختیار صرف مرکزی بینک کے پاس ہوتا ہے، جس سے زر کی توسیع زیادہ شفاف اور قابو میں رہتی ہے۔

* مالیاتی استحکام اور بلا سود نظام: سودی نظام میں خطرہ صرف قرض لینے والے پر ہوتا ہے، جبکہ نفع و نقصان میں شراکت کا نظام خطرے کو دونوں فریقین میں تقسیم کرتا ہے، جس سے مالیاتی ادارے زیادہ ذمہ دارانہ فیصلے کرنے پر مجبور ہوتے ہیں۔

* ریاستی قرض مالی خسارہ: جزوی ریزرو نظام میں حکومتیں اکثر بینکوں سے قرض لے کر افراط زر پیدا کرتی ہیں۔ مجوزہ نظام حکومت کو حقیقی بچتوں پر انحصار کرنے اور مالیاتی نظم و ضبط قائم کرنے پر مجبور کرتا ہے۔

* عملی چیلنجز اور سفارشات: تحقیق یہ واضح کرتی ہے کہ کوئی بھی نظام ریاستی بدانتظامی کا نعم البدل نہیں ہے۔ پاکستان جیسے ملک میں فوری تبدیلی کے بجائے ایک تدریجی اور مرحلہ وار حکمت عملی کی ضرورت ہے، جس میں قانونی اصلاحات، شفاف حساب داری، اور مرکزی بینک کی حقیقی خود مختاری ناگزیر ہیں۔

حاصل مطالعہ: یہ تحقیق ثابت کرتی ہے کہ مکمل ریزرو اور بلا سود ماڈل موجودہ نظام کی ساختی کمزوریوں کو دور کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں، بشرطیکہ انہیں ایک مضبوط ادارہ جاتی فریم ورک کے تحت نافذ کیا جائے۔

تمہید: (Introduction)

دو ہزار آٹھ کا عالمی مالی بحران محض چند بینکوں کی ناکامی نہیں تھا، بلکہ اس نے جدید مالیاتی نظام کے اُس بنیادی مفروضے کو بے نقاب کر دیا جس کے مطابق قرض پر مبنی زر کی تخلیق (Money Creation) کو مسلسل پھیلا یا جاسکتا ہے، بغیر اس کے کہ وہ کسی مرحلے پر مجموعی معاشی عدم استحکام کو جنم دے۔ امریکہ اور یورپ کے بڑے مالیاتی ادارے، جنہیں برسوں تک "انتہائی منظم" اور "کم خطرے والے" نظام کی علامت سمجھا جاتا رہا، چند ہی مہینوں میں ریاستی ضمانتوں اور عوامی وسائل کے محتاج ہو گئے۔ اس بحران کے بعد جو سوال عالمی علمی مباحث میں شدت سے ابھرا، وہ کسی ایک پالیسی یا ایک بینک کی غلطی کا نہیں تھا، بلکہ خود نظام زرو بینکاری کی ساخت سے متعلق تھا۔

یہی سوال ترقی پزیر معیشتوں، خصوصاً پاکستان، کے لیے کہیں زیادہ سنگین صورت اختیار کر لیتا ہے۔ ایک ایسی ریاست جہاں مسلسل مالی خسارہ، بڑھتا ہوا ریاستی قرض، اور دیرینہ افراط زر معمول بن چکے ہوں، وہاں یہ سوال ناگزیر ہو جاتا ہے کہ آیا مسئلہ محض انتظامی ناکامیوں کا ہے، یا خود وہ مالیاتی ڈھانچا ہی ایسے نتائج پیدا کر رہا ہے جن سے بچنا ممکن نہیں رہا۔ پاکستان میں گزشتہ کئی دہائیوں کے دوران مانیٹری پالیسی، بینکاری توسیع، اور حکومتی قرض گیری ایک ایسے دائرے میں گردش کرتی رہی ہیں جس میں ہر حل بالآخر ایک نئے عدم توازن کو جنم دیتا ہے۔

اسی پس منظر میں یہ تحقیق اس مفروضے کو جانچنے کی کوشش کرتی ہے کہ اگر زر کی تخلیق کو جزوی ریزرو بینکاری (Fractional Reserve Banking) کے بجائے مکمل ریزرو بینکاری (Full Reserve Banking) کے اصول پر منظم کیا جائے، اور اگر قرض پر مبنی سودی تعلقات کی جگہ نفع و نقصان میں شراکت پر مبنی بلا سود مالیاتی ڈھانچا اختیار کیا جائے، تو کیا واقعی افراط زر، مالی عدم استحکام، اور ریاستی قرض کے دباؤ میں کوئی با معنی کمی آسکتی ہے، یا یہ محض ایک نظریاتی متبادل ہے جو عملی دنیا کی سخت حدود سے ٹکرا کر غیر موثر ہو جاتا ہے۔

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ زیر بحث مسئلہ کسی اخلاقی یا مذہبی ترجیح کا نہیں، بلکہ خالصتاً ایک معاشی و ادارہ جاتی سوال کا ہے۔ تحقیق کا مقصد یہ ثابت کرنا نہیں کہ کوئی مخصوص نظام ”واحد حل“ ہے، بلکہ یہ جانچنا ہے کہ مختلف مالیاتی ماڈلز اپنے اندر کن ساختی رجحانات کو سموئے ہوئے ہیں، اور وہ رجحانات کس حد تک افراط زر، مالی خسارے اور ریاستی قرض جیسے مسائل کو کم یا زیادہ کرتے ہیں۔

اسی تناظر میں اس مقالے کا بنیادی تحقیقی سوال یوں وضع کیا جاسکتا ہے:

کیا مکمل ریزرو اور بلا سود بینکاری پر مبنی مالیاتی نظام، موجودہ جزوی ریزرو اور سودی نظام کے مقابلے میں، افراط زر، مالی عدم استحکام اور ریاستی قرض کے دباؤ کو کم کرنے کی ساختی صلاحیت رکھتا ہے، اور اگر رکھتا ہے تو کن حدود اور عملی رکاوٹوں کے ساتھ؟

یہ سوال اپنی نوعیت میں مطلق نہیں، بلکہ مشروط ہے، اور یہی اس تحقیق کا امتیاز ہے۔ یہاں کسی حتمی نجات دہندہ نظام کی تلاش نہیں، بلکہ مالیاتی ڈھانچوں کے تقابلی تجزیے کے ذریعے ان کی حقیقی صلاحیت اور کمزوریوں کو سمجھنے کی کوشش کی گئی ہے۔

نظریاتی و تصوری خاکہ

(Conceptual Framework)

اس تحقیق کی بنیاد تین ایسے تصورات پر قائم ہے جو جدید معاشی مباحث میں مرکزی حیثیت رکھتے ہیں، مگر عام مباحث میں اکثر یا تو نظر انداز کر دیے جاتے ہیں یا سادہ نعروں میں سمو دیے جاتے ہیں۔ یہ تصورات جزوی ریزرو اور مکمل ریزرو بینکاری کا فرق، سودی قرض اور نفع و نقصان میں شراکت کے درمیان ساختی امتیاز، اور زر کی تخلیق کے حقیقی طریقہ کار سے متعلق ہیں۔

جزوی ریزرو بینکاری وہ نظام ہے جس میں تجارتی بینک عوامی جمع شدہ رقم کا ایک محدود حصہ بطور ریزرو محفوظ رکھتے ہیں، جبکہ بقیہ رقم قرض کی صورت میں آگے منتقل کر دیتے ہیں۔ اس عمل کے نتیجے میں بینک محض مالی واسطہ نہیں رہتے، بلکہ عملی طور پر نئی زر کی مقدار تخلیق کرنے لگتے ہیں۔ یہ زر تو وسیع براہ راست کسی حقیقی پیداوار سے منسلک نہیں ہوتی، بلکہ مستقبل کی ادائیگیوں کے وعدوں پر کھڑی ہوتی ہے۔ اسی نکتے کو جدید بینکاری میں زر کی تخلیق کا اصل مرکز سمجھا جاتا ہے۔

اس کے مقابلے میں مکمل ریزرو بینکاری کا تصور اس بنیاد پر قائم ہے کہ دیدنی جمع شدہ رقم (Demand Deposits) کو مکمل طور پر محفوظ رکھا جائے، اور انہیں قرض یا سرمایہ کاری کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔ اس ماڈل میں زر کی تخلیق کا اختیار یا تو مکمل طور پر ریاستی مرکزی بینک کے پاس ہوتا ہے، یا واضح قواعد کے تحت محدود کیا جاتا ہے۔ نتیجتاً بینک زر کی تخلیق کے بجائے محض مالیاتی ثالث (Financial Intermediaries) کا کردار ادا کرتے ہیں۔

یہاں یہ نکتہ قابل توجہ ہے کہ مکمل ریزرو بینکاری خود بخود معاشی استحکام کی ضمانت نہیں دیتی۔ یہ صرف زر کی تخلیق کے عمل کو زیادہ شفاف اور قابل نگرانی بناتی ہے۔ اگر ریاست یا مرکزی بینک اس اختیار کو سیاسی یا مالی دباؤ کے تحت استعمال کرے، تو افراط زر کا خطرہ اپنی جگہ برقرار رہتا ہے۔ یوں یہ ماڈل ایک مسئلے کو ختم کرنے کے بجائے اسے ایک مختلف سطح پر منتقل کر دیتا ہے۔

دوسرا بنیادی تصور سودی قرض اور نفع و نقصان میں شراکت پر مبنی مالیات کا ہے۔ سودی نظام میں مالی تعلق ایک مقررہ واپسی پر قائم ہوتا ہے، چاہے حقیقی معاشی سرگرمی منافع بخش ہو یا خسارے میں۔ اس ساخت کے نتیجے میں مالیاتی نظام اور حقیقی معیشت کے درمیان ایک فاصلہ پیدا ہو جاتا ہے، جہاں قرض کی توسیع بسا و قات پیداوار کی صلاحیت سے آگے نکل جاتی ہے۔ اس کے برعکس نفع و نقصان میں شراکت پر مبنی بلا سود نظام میں مالی سرمایہ براہ راست کاروباری کارکردگی سے جڑا ہوتا ہے، جس سے خطرہ اور منافع دونوں فریقین میں تقسیم ہوتے ہیں۔

یہ تصور اگرچہ نظریاتی طور پر زیادہ متوازن دکھائی دیتا ہے، مگر عملی سطح پر اس کے نفاذ کے لیے مضبوط قانونی ڈھانچے، شفاف حساب داری، اور تنازعات کے مؤثر حل کی ضرورت ہوتی ہے۔ ان شرائط کے بغیر نفع و نقصان میں شراکت محض ایک مثالی تصور بن کر رہ جاتی ہے، جو حقیقی مالیاتی دنیا میں اپنی جگہ نہیں بن پاتا۔

تیسرا اور سب سے بنیادی تصور زر کی تخلیق کے عمل سے متعلق ہے۔ عام تاثر کے برعکس جدید معیشتوں میں زر کی تخلیق صرف نوٹ چھاپنے تک محدود نہیں، بلکہ بینکاری قرضوں کے ذریعے مسلسل وقوع پذیر ہوتی رہتی ہے۔ یہی وہ عمل ہے جو افراط زر، مالی عدم استحکام اور ریاستی قرض کے درمیان ایک گہرا مگر غیر مرئی ربط قائم کرتا ہے۔ اس ربط کو سمجھے بغیر کسی بھی اصلاحی تجویز کا سنجیدہ تجربہ ممکن نہیں۔

یہاں تین بنیادی سوالات کو الگ الگ مگر باہم مربوط انداز میں پرکھا گیا ہے:

اول، مکمل ریزرو بینکاری کا افراط زر پر ممکنہ اثر؛

دوم، بلا سود اور نفع و نقصان میں شراکت پر مبنی بینکاری کا مالی استحکام پر اثر؛

اور سوم، اس مجموعی نظام کا ریاستی قرض اور مالی خسارے کے ساتھ عملی تعلق۔

یہ تجزیہ کسی ایک نظریے کو مسلمہ مان کر آگے نہیں بڑھتا، بلکہ ہر دعوے کے ساتھ اس کی حدود اور عملی مشکلات کو بھی سامنے رکھتا ہے۔

مکمل ریزرو بینکاری اور افراط زر

افراط زر کو عمومی طور پر قیمتوں میں اضافے کے طور پر بیان کیا جاتا ہے، مگر اس تعریف کے پیچھے اصل محرک زر کی مقدار میں وہ اضافہ ہے جو حقیقی پیداوار کی رفتار سے ہم آہنگ نہ ہو۔ جزوی ریزرو بینکاری میں زر کی تخلیق براہ راست تجارتی بینکوں کے قرضی فیصلوں سے جڑی ہوتی ہے۔ جب بینک مستقبل کی واپسیوں کے وعدے پر قرض جاری کرتے ہیں تو وہ درحقیقت نئی زر کی مقدار پیدا کرتے ہیں، جو فوری طور پر اشیاء اور خدمات کے پیچھے دوڑنے لگتی ہے۔ اس عمل میں مرکزی بینک اکثر محض رد عمل کا کردار ادا کرتا ہے، اور شرح سود میں تبدیلی کے ذریعے اس توسیع کو سست یا تیز کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

مکمل ریزرو بینکاری اس ڈھانچے کو بنیادی سطح پر بدل دیتی ہے۔ اس نظام میں دیدنی جمع شدہ رقوم کو قرض میں تبدیل کرنے کی اجازت نہیں ہوتی، جس کے نتیجے میں زر کی تخلیق کا اختیار تجارتی بینکوں سے نکل کر مرکزی سطح پر مرکوز ہو جاتا ہے۔ اس سے افراط زر کا ایک بڑا ذریعہ، یعنی غیر شفاف قرضی توسیع، محدود ہو جاتا ہے۔ زر کی مقدار میں اضافہ اب کسی بینک کے اندرونی فیصلے کا نہیں بلکہ ایک واضح پالیسی عمل کا نتیجہ ہوتا ہے۔

تاہم یہاں یہ نکتہ نظر انداز نہیں کیا جاسکتا کہ مکمل ریزرو نظام افراط زر کو خود بخود ختم نہیں کرتا۔ اگر ریاست یا مرکزی بینک مالی خسارے کو پورا کرنے کے لیے زر کی تخلیق کو سہل ذریعہ سمجھ لے، تو زر کی توسیع کا باؤ بدستور برقرار رہتا ہے۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ پہلے یہ باؤ بینکاری نظام کے پردے میں چھپا رہتا تھا، اور اب وہ براہ راست ریاستی پالیسی کی صورت میں ظاہر ہو جاتا ہے۔ اس لیے مکمل ریزرو نظام افراط زر کو کم کرنے کی ایک شرط ضرور فراہم کرتا ہے، مگر ضمانت نہیں۔

اس دلیل کی حدود اور عملی مشکلات

مکمل ریزرو بینکاری کی سب سے بڑی عملی رکاوٹ سیاسی ہے، نہ کہ تکنیکی۔ ایسے نظام میں زر کی تخلیق پر براہ راست عوامی اور پارلیمانی سوالات اٹھ سکتے ہیں، جو اکثر ریاستی اداروں کے لیے ناپسندیدہ ہوتے ہیں۔ مزید یہ کہ زر کی مقدار میں سختی سے کنٹرول قلیل مدت میں قرض کی دستیابی کو محدود کر سکتا ہے، جس کے نتیجے میں معاشی سرگرمی سست پڑنے کا خدشہ بھی موجود رہتا ہے۔

بلا سود بینکاری اور مالی استحکام

مالی عدم استحکام کی ایک بنیادی وجہ یہ ہے کہ سودی قرض میں خطرہ اور ذمہ داری غیر متوازن ہو جاتی ہے۔ قرض دینے والا فریق ایک مقررہ واپسی کا مطالبہ کرتا ہے، جبکہ نقصان کا بڑا حصہ قرض لینے والے پر منتقل ہو جاتا ہے۔ اس عدم توازن کے باعث مالی ادارے اکثر ایسے خطرات مول لیتے ہیں جن کے نتائج کا بوجھ بالآخر ریاست یا معاشرے کو اٹھانا پڑتا ہے۔ عالمی مالی بحران اس رجحان کی ایک نمایاں مثال تھا، جہاں نجی منافع اور عوامی نقصان کا فاصلہ واضح طور پر سامنے آیا۔

نفع و نقصان میں شراکت پر مبنی بلا سود بینکاری اس ساخت کو مختلف انداز میں ترتیب دیتی ہے۔ اس نظام میں مالی سرمایہ حقیقی کاروباری سرگرمی سے جڑا ہوتا ہے، اور منافع یا خسارہ دونوں فریقین میں تقسیم ہوتے ہیں۔ اس سے نظریاتی طور پر مالیاتی نظام زیادہ محتاط اور حقیقی معیشت سے قریب تر ہو جاتا ہے، کیونکہ سرمایہ کار خود بھی نقصان کے خطرے میں شریک ہوتا ہے۔

پاکستان میں اسلامی بینکاری کے تجربے نے یہ ضرور دکھایا ہے کہ بلا سود مصنوعات طلب رکھتی ہیں، مگر ساتھ ہی یہ بھی واضح ہوا ہے کہ عملی سطح پر زیادہ تر لین دین اب بھی کم خطرے والی، قریبی سودی ساخت سے ملتی جلتی صورتوں میں انجام پاتا ہے۔ اس کی ایک بڑی وجہ قانونی نفاذ، حساب داری، اور تنازعات کے حل کا کمزور ڈھانچا ہے، جو حقیقی شراکتی مالیات کے لیے ناگزیر ہوتا ہے۔

اس دلیل کی حدود اور عملی مشکلات

بلا سود بینکاری مالی استحکام کو بہتر بنانے کی صلاحیت ضرور رکھتی ہے، مگر یہ صلاحیت ادارہ جاتی طاقت سے مشروط ہے۔ کمزور عدالتی نظام، غیر شفاف کاروباری ماحول، اور ناقص مالی رپورٹنگ شراکتی ماڈلز کو غیر عملی بنادیتے ہیں۔ اس لیے محض سود کے خاتمے سے مالی عدم استحکام خود بخود ختم نہیں ہو جاتا۔

ریاستی قرض، مالی خسارہ اور متبادل نظام

ریاستی قرض کسی بھی جدید معیشت کا مستقل حصہ بن چکا ہے، مگر مسئلہ اس کی سطح اور اس کے مالی ذرائع کا ہے۔ جزوی ریزرو نظام میں ریاستی قرض اکثر بالواسطہ طور پر زر کی توسیع سے جڑ جاتا ہے، کیونکہ بینک حکومتی قرض کو محفوظ اثاثہ سمجھ کر اس کی بنیاد پر مزید قرض جاری کرتے ہیں۔ اس عمل سے ایک ایسا چکر بنتا ہے جس میں مالی خسارہ، زر کی توسیع، اور افراط زر ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔

مکمل ریزرو اور بلا سود نظام اس چکر کو مکمل طور پر نہیں توڑتا، مگر اسے کمزور ضرور کرتا ہے۔ جب بینک حکومتی قرض کی بنیاد پر زر تخلیق نہ کر سکیں، تو ریاستی قرض براہ راست مالی نظم و ضبط کے سوال سے جڑ جاتا ہے۔ حکومت کو یا تو حقیقی بچتوں پر انحصار کرنا پڑتا ہے، یا اپنی مالی ترجیحات پر نظر ثانی کرنی پڑتی ہے۔

تاہم یہاں بھی یہ حقیقت تسلیم کرنا ضروری ہے کہ کوئی بھی مالیاتی نظام ریاستی بدانتظامی کا نعم البدل نہیں بن سکتا۔ اگر اخراجات اور آمدن کے درمیان بنیادی عدم توازن برقرار رہے، تو قرض کسی نہ کسی صورت میں جمع ہوتا رہے گا، چاہے اس کی شکل سودی ہو یا بلا سود۔

اس دلیل کی حدود اور عملی مشکلات

ریاستی قرض پر دباؤ کم ہونا ایک طویل مدتی اثر ہو سکتا ہے، فوری نتیجہ نہیں۔ قلیل مدت میں ایسے نظام میں منتقلی خود اضافی لاگت اور انتظامی پیچیدگیاں پیدا کر سکتی ہے، جو مالی خسارے کو عارضی طور پر بڑھا بھی سکتی ہیں۔

پالیسی مضمرات

(Policy Implications)

اس تحقیق کا سب سے نازک مرحلہ وہ ہے جہاں نظری مباحث کو حقیقی ریاستی اور ادارہ جاتی تناظر میں پرکھا جاتا ہے۔ مکمل ریزرو اور بلا سود بینکاری کے حامی اکثر اسی مقام پر غیر ارادی طور پر ایک مثالی ریاست فرض کر لیتے ہیں، جہاں سیاسی مداخلت، ادارہ جاتی کمزوری اور انتظامی نااہلی جیسے عوامل موجود نہیں ہوتے۔ زیر نظر تحقیق اس مفروضے کو ابتدائی میں مسترد کرتی ہے اور یہ تسلیم کرتی ہے کہ پاکستان جیسے ملک میں کسی بھی مالیاتی اصلاح کی قدر و قیمت کا تعین اس بات سے ہو گا کہ وہ موجودہ قانونی، سیاسی اور معاشی حدود کے اندر کس حد تک قابل عمل ہے۔

پاکستان کا مالیاتی ڈھانچا اسٹیٹ بینک آف پاکستان، وزارت خزانہ، اور تجارتی بینکوں کے باہمی تعلق پر قائم ہے۔ اس نظام میں زر کی تخلیق، سرکاری قرض گیری، اور مالی خسارے کی تکمیل ایک دوسرے سے اس قدر جڑی ہوئی ہے کہ کسی ایک عنصر میں اچانک اور بنیادی تبدیلی پورے نظام میں عدم توازن پیدا کر سکتی ہے۔ چنانچہ مکمل ریزرو بلا سود ماڈل کو کسی فوری یا انقلابی اقدام کے طور پر نافذ کرنا نہ صرف غیر حقیقت پسندانہ ہے بلکہ ممکنہ طور پر نقصان دہ بھی ہو سکتا ہے۔

پالیسی کے تناظر میں سب سے پہلی حقیقت جسے تسلیم کرنا لازم ہے، وہ مرکزی بینک کی محدود عملی خود مختاری ہے۔ اگرچہ قانونی طور پر اسٹیٹ بینک کو قیمتوں کے استحکام کا ذمہ دار قرار دیا گیا ہے، مگر عملی سطح پر حکومتی قرض گیری اور مالی خسارے کے دباؤ نے اس کردار کو بارہا متاثر کیا ہے۔ مکمل ریزرو نظام میں زر کی تخلیق کا اختیار زیادہ واضح اور براہ راست ہو جاتا ہے، جس کے نتیجے میں سیاسی مداخلت کے امکانات کم ہونے کے بجائے بعض صورتوں میں بڑھ بھی سکتے ہیں۔ اس لیے کسی بھی اصلاح سے قبل یہ سوال ناگزیر ہے کہ آیا مرکزی بینک واقعی قواعد پر مبنی (Rules-Based) طرز عمل اختیار کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے یا نہیں۔

دوسرا اہم پالیسی پہلو موجودہ بینکاری معاہدات اور مالی ذمہ داریوں سے متعلق ہے۔ پاکستان میں تجارتی بینکوں کے اثاثہ جات کا ایک بڑا حصہ حکومتی سیکورٹیز پر مشتمل ہے، جو نہ صرف بینکوں کی آمدن کا بنیادی ذریعہ ہیں بلکہ ریاست کے مالیاتی نظم کا ستون بھی۔ مکمل ریزرو بلا سود نظام کی طرف پیش رفت ان معاہدات کو از خود کا عدم نہیں بنا سکتی، کیونکہ ایسا کر قانونی اور معاشی دونوں حوالوں سے شدید عدم استحکام کو جنم دے گا۔ چنانچہ پالیسی سطح پر یہ تسلیم کرنا ہو گا کہ کسی بھی نئے نظام کا اطلاق صرف آئندہ معاہدات اور نئی مالیاتی ساختوں تک محدود رہے گا، نہ کہ ماضی کے پورے مالیاتی ورثے پر۔

اس تناظر میں ایک تدریجی، مرحلہ وار حکمت عملی ہی واحد قابل عمل راستہ دکھائی دیتی ہے۔ ابتدائی مرحلے میں پالیسی کی توجہ زر کی تخلیق کے عمل کو زیادہ شفاف بنانے پر مرکوز ہونی چاہیے۔ اس میں دیدنی کھاتوں کے لیے ریزرو تقاضوں میں بتدریج اضافہ، مرکزی بینک کی بیلنس شیٹ کی عوامی سطح پر واضح تشریح، اور مالیاتی پالیسی کے فیصلوں کی دلیل پر مبنی وضاحت شامل ہو سکتی ہے۔ یہ اقدامات افراط زر کو فوری طور پر ختم نہیں کریں گے، مگر کم از کم یہ واضح کر دیں گے کہ زر کی تخلیق کن بنیادوں پر ہو رہی ہے اور اس کے نتائج کی ذمہ داری کس پر عائد ہوتی ہے۔

اگلے مرحلے میں بلا سود اور نفع و نقصان میں شراکت پر مبنی مالیاتی آلات کو عملی سطح پر تقویت دینا پالیسی کا محور بن سکتا ہے۔ پاکستان میں اسلامی بینکاری کا وجود اس لحاظ سے ایک ادارہ جاتی بنیاد فراہم کرتا ہے، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس شعبے میں بھی زیادہ تر سرگرمیاں قرض نمائندہ نچوں تک محدود ہیں۔ اگر نفع و نقصان میں شراکت کو واقعی فروغ دینا مقصود ہو، تو اس کے لیے ٹیکس قوانین، اکاؤنٹنگ معیارات، اور تنازعات کے حل کے نظام میں بنیادی اصلاحات ناگزیر ہوں گی۔ بغیر ان اصلاحات کے، بلا سود بینکاری محض نام کی حد تک رہ جائے گی اور اس کے استحکامی فوائد عملی صورت اختیار نہیں کر پائیں گے۔

تیسرے مرحلے میں، اور وہ بھی صرف مناسب تجربات اور جائزوں کے بعد، مکمل ریزرو پر مبنی مخصوص مالیاتی کھاتوں کا تعارف رضاکارانہ بنیاد پر کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح ایک دوہرا مالیاتی ڈھانچہ وجود میں آسکتا ہے، جہاں ایک طرف مکمل طور پر محفوظ زری کھاتے ہوں اور دوسری طرف سرمایہ کاری پر مبنی کھاتے جو واضح خطرات اور ممکنہ منافع کے ساتھ پیش کیے جائیں۔ اس دوہرے نظام کا فائدہ یہ ہو گا کہ ریاست کو پورے نظام کو یکدم تبدیل کیے بغیر عملی تجربہ حاصل ہو سکے گا، جبکہ منڈی خود فیصلہ کرے گی کہ کون سا ماڈل زیادہ قابل اعتماد ہے۔

اس تمام بحث میں ایک بنیادی حقیقت کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، اور وہ یہ ہے کہ مالیاتی اصلاحات اپنی ذات میں ریاستی مالی نظم و ضبط کا متبادل نہیں ہوتیں۔ اگر سرکاری اخراجات بے قابو رہیں، اگر ٹیکس کا دائرہ محدود ہو، اور اگر سیاسی معیشت قرض پر انحصار کو مسلسل بڑھاتی رہے، تو کوئی بھی زری نظام دیر پا استحکام فراہم نہیں کر سکتا۔ مکمل ریزرو اور بلا سود ماڈل بعض ساختی مسائل کو ضرور کم کر سکتے ہیں، مگر وہ ریاستی بدانتظامی کو خود بخود درست نہیں کرتے۔

یوں پالیسی سطح پر اس تحقیق کا حاصل یہ نہیں کہ کسی مخصوص نظام کو فوری طور پر نافذ کر دیا جائے، بلکہ یہ کہ زر کی تخلیق، قرض، اور ریاستی مالیات کے باہمی تعلق کو زیادہ شفاف، زیادہ جواب دہ، اور زیادہ قابل نگرانی بنایا جائے۔ اگر یہ مقصد حاصل ہو جائے، تو مکمل ریزرو اور بلا سود بینکاری محض نظری نعروں کے بجائے قابل آزمائش پالیسی آپشنز کے طور پر سامنے آسکتے ہیں۔

(Conclusion)

زیر نظر تحقیق کا بنیادی مقصد کسی متبادل مالیاتی نظام کو مطلق نجات دہندہ کے طور پر پیش کرنا نہیں تھا، بلکہ یہ جانچنا تھا کہ موجودہ جزوی ریزرو اور سودی نظام اپنی ساخت کے اعتبار سے کن معاشی رجحانات کو جنم دیتا ہے، اور آیا مکمل ریزرو اور بلا سود مالیاتی ماڈل ان رجحانات کو کسی حد تک محدود کرنے کی صلاحیت رکھتے ہیں یا نہیں۔ اس مقصد کے تحت افراط زر، مالی استحکام، اور ریاستی قرض جیسے بنیادی مسائل کو محض پالیسی کی ناکامی نہیں، بلکہ نظامی ساخت (Systemic Structure) کے تناظر میں پرکھا گیا۔

تحقیق سے یہ بات واضح ہوئی کہ جزوی ریزرو بینکاری میں زر کی تخلیق کا عمل بڑی حد تک نجی بینکاری قرضوں کے ذریعے انجام پاتا ہے، جس کے نتیجے میں زر کی مقدار حقیقی معاشی پیداوار سے پہلے اور اس سے تیز رفتاری سے بڑھ سکتی ہے۔ یہی عدم توازن افراط زر، اثاثہ جاتی بلبلوں، اور مالیاتی عدم استحکام کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔ ریاست، جو اس نظام میں آخری ضامن کے طور پر سامنے آتی ہے، بالآخر عوامی وسائل کے ذریعے نجی مالیاتی نقصانات کو جذب کرنے پر مجبور ہو جاتی ہے، اور یوں ریاستی قرض میں مسلسل اضافہ ہوتا ہے۔

مکمل ریزرو بینکاری کے تصور کا تجربہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ یہ ماڈل زر کی تخلیق کو زیادہ شفاف، قابل نگرانی اور اصولی حدود میں لانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ تاہم یہ بھی تحقیق سے ثابت ہوا کہ مکمل ریزرو نظام بذات خود افراط زر کے خاتمے یا مالی نظم کی ضمانت نہیں دیتا۔ اگر زر کی تخلیق کا اختیار سیاسی دباؤ یا مالیاتی ضرورتوں کے تحت استعمال کیا جائے، تو افراط زر کا خطرہ برقرار رہتا ہے، خواہ زر کی تخلیق ریاستی سطح پر ہو یا نجی بینکاری کے ذریعے۔

اسی طرح بلا سود، نفع و نقصان میں شراکت پر مبنی مالیاتی نظام نے نظریاتی طور پر مالی استحکام کے امکانات ضرور دکھائے، کیونکہ اس میں مالی سرمایہ حقیقی معاشی سرگرمی سے جڑا ہوتا ہے اور خطرات فریقین میں تقسیم ہوتے ہیں۔ تاہم تحقیق نے یہ بھی واضح کیا کہ اس ماڈل کا عملی نفاذ مضبوط قانونی اداروں، شفاف حساب داری، اور مؤثر عدالتی نظام کے بغیر ممکن نہیں۔ ان شرائط کی عدم موجودگی میں بلا سود مالیات بھی وہی عملی مسائل پیدا کر سکتی ہے جو سودی نظام میں دیکھے جاتے ہیں، اگرچہ ان کی نوعیت مختلف ہو۔

ریاستی قرض اور مالی خسارے کے حوالے سے یہ تحقیق کسی حتمی کمی یا مکمل خاتمے کا دعویٰ نہیں کرتی۔ البتہ یہ نتیجہ ضرور اخذ ہوتا ہے کہ اگر زر کی تخلیق کو قرضی توسیع سے جزوی طور پر الگ کر دیا جائے، اور مالیاتی نظام کو نفع و نقصان کی حقیقی تقسیم کی طرف مائل کیا جائے، تو ریاست پر افراط زر کے ذریعے بالواسطہ ٹیکس عائد کرنے کا دباؤ کم ہو سکتا ہے۔ یہ کمی تدریجی، مشروط اور ادارہ جاتی اصلاحات سے وابستہ ہوگی، نہ کہ کسی فوری یا انقلابی اقدام سے۔

یوں مجموعی طور پر یہ تحقیق اس نتیجے تک پہنچتی ہے کہ مکمل ریزرو اور بلا سود مالیاتی ماڈل کسی مطلق حل کی حیثیت نہیں رکھتے، مگر وہ موجودہ نظام کے اندر پوشیدہ بعض ساختی کمزوریوں کو محدود کرنے کی صلاحیت ضرور رکھتے ہیں، بشرطیکہ ان کا نفاذ حقیقت پسندانہ، مرحلہ وار اور مضبوط ادارہ جاتی فریم ورک کے تحت کیا جائے۔ اس تحقیق نے یہ ثابت کرنے کی کوشش نہیں کی کہ کون سا نظام ”درست“ ہے، بلکہ یہ واضح کیا ہے کہ مختلف مالیاتی ڈھانچے کن معاشی نتائج کو جنم دینے کی فطری صلاحیت رکھتے ہیں، اور انہی حدود کے اندر پالیسی سازی کی جاسکتی ہے۔

حوالہ جاتی فہرست

(References)

1. آیت اللہ العظمیٰ شہید سید محمد باقر الصدر، اقتصادنا، مکتبۃ الاسلامیہ.
2. State Bank of Pakistan, Monetary Policy Framework and Reports.
3. State Bank of Pakistan, Banking Statistics and Islamic Banking Bulletin.
4. Khan, A. & Ahmed, M., The Reserve Equation and the Analytics of Pakistan's Monetary Policy.
5. Irving Fisher, 100% Money.
IMF Working Paper, The Chicago Plan Revisited.

6. Henry Simons, *Rules versus Authorities in Monetary Policy*.
7. Murray Rothbard, *The Case Against the Fed*.
8. BIS Quarterly Review, *Money Creation in the Modern Economy*.
9. World Bank, *Government Debt, Deficits and Monetary Systems*.
10. Islamic Development Bank, *Islamic Finance and Risk-Sharing Models*.
11. Pakistan Economic Survey, Ministry of Finance, Government of Pakistan.
Money Creation: Need for Adopting 100 Percent Reserve System, Riphah Journal of Business and Management.
Full Reserve System and Islamic Banking System Proposal, Iqtishoduna Journal.
12. *Historical Development of Interest-Free Banking*, MIU Journal of Islamic Studies.

ختم شد۔۔

کچھ میرے بارے میں:

تعلیمی و شخصی تعارف

مصنف ایک طالب علم ہے جس کا تعلیمی رجحان تنقیدی مطالعہ، معاشی نظریات اور تحقیقی تحریر کی جانب مرکوز رہا ہے۔ اس نے میٹرک کے امتحان میں بغیر کسی نجی ٹیوشن کے 92 فیصد نمبر حاصل کیے، جو اس کی خود انحصاری، مستقل مزاجی اور تعلیمی نظم و ضبط کی عکاسی کرتے ہیں۔

لسانی اور تقریری سرگرمیوں میں بھی مصنف کو مختلف سطحوں پر نمایاں کامیابیاں حاصل رہی ہیں۔ اس نے ضلع سرگودھا میں منعقدہ انگریزی تقریری مقابلے میں دوسری پوزیشن حاصل کی۔ مزید برآں، سرسید کالج راولپنڈی کے زیر اہتمام منعقدہ تقریری مقابلے میں تیسری پوزیشن حاصل کی، جبکہ فیڈرل ڈائریکٹوریٹ آف ایجوکیشن (FDE) کے تحت منعقدہ تقریری مقابلے میں اسلام آباد بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کرنے کا اعزاز بھی حاصل کیا۔ ان کامیابیوں کے ساتھ ساتھ مصنف نے مختلف اسکول اور کالج سطح کے مقابلہ جات میں مسلسل شرکت کی اور متعدد انعامات اور اعزازات حاصل کیے۔ علمی تحقیق، دلیل پر مبنی تجزیہ، اور مؤثر و باوقار اظہار خیال اس کی خصوصی دلچسپی کے شعبے ہیں۔



نام: سید حسن مہدی کاظمی

تعلیمی ادارہ: اسلام آباد ماڈل کالج برائے طلباء / ایچ 9- (IMCB H9)

رابطہ نمبر: 03485956531

ای میل: syedhassanmehdi313786@gmail.com